20-7-2020

Name - Adil Rashid

Asst. Professor (Urdu) R N COLLEGE
HAJIPUR, BRABU, MUZAFFARPUR

موضوع - اقبال کی فکری اساس ان کی شاعری کے حوالے سے

for MA

Scanned with CamScanner

علامہ اقبال کی فکر کی اساس ان کی شاعری کے حوالے سے

علامہ اقبال کا اصل نام شیخ محمد اقبال تھا۔ ان کی پیدائش سیالکوٹ میں ہوئی۔

اسکول کے دنوں میں ہی اقبال نے شعر گوئی کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ شعر و شاعری میں ان کے ذوق کی تربیت استاد میر حسن نے کی۔ اقبال نے اپنی شاعری کی اصلاح کی ابتدائی رہنمائی استاد داغ سے حاصل کی۔

اقبال کی شاعری کا باقاعدہ سلسلہ انیسویں صدی کے آخری برسوں میں شروع ہوا۔ شعر و شاعری دور کے ان کے کلام رسالوں اور مشاعروں کے ذریعے منظر عام پر آئے۔

1905 میں وہ انگلینڈ گئے جہاں ان کی شاعری کا دوسرا دور شروع ہوا۔ ان کی ابتدائی شاعری میں حب الوطنی کا جذبہ بہت شدید ہے جو اس وقت کے سیاسی حالات کی عکاسی ہے۔ لیکن یورپ کے سفر نے ان کی سوچ بدلی اور انہوں نے مسلم بھائی چارگی اور اسلامی اخوت کو اہمیت

دینی شروع کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ قیامِ یورپ کے دوران ان کی شاعری کا رنگ و آہنگ قدرے بدل سا گیا اور ملت و تہذیب کا احساس ان کی شاعری میں بہت زیادہ نمایاں ہوا۔

اس دور میں اقبال نے اردو کے ساتھ فارسی میں بھی طبع آزمائی کی۔ فارسی میں 'اسرارِ خودی'، 'رموزِ بے خودی'، 'جاوید نامہ' اور 'پیامِ مشرق' کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

1908 میں وطن واپسی کے بعد بھی فارسی کلام کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دور کی شاعری کو ان کی شاعری کے تیسرے دور سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اس دور میں مشرق و مغرب کے فلسفے کا مطالعہ انہوں نے بڑی گہرائی سے کیا۔ مسلمانوں کے تصوف اور علم کلام سے بھی ان کی دلچسپی کافی بڑھی۔ انہوں نے اپنا ایک تحقیقی مقالہ 'فارس میں مابعد الطبیعات کا ارتقاء' تحریر کیا۔

اس وقت تک اقبال اپنی شاعری کے نقطۂ کمال پر پہنچ چکے تھے۔ 'سر' کا خطاب حاصل کر انہوں نے گول میز کانفرنس

میں مسلمانوں کی نمائندگی کی۔ وہ مفکرِ قوم اور شاعرِ اسلام کے نام سے شہرت حاصل کر چکے تھے۔ مشرقی تہذیب سے دلچسپی کے باعث انہیں شاعرِ مشرق کے لقب سے بھی نوازا گیا۔

انہوں نے خودی کے ساتھ عشق کا نیا تصور پیش کیا۔ جلال و جمال کو خودی کے ترکیبی عناصر کے طور پر پیش کیا۔ اپنی شاعری میں فکر کے ساتھ فنی تدبیروں کو بھی خوب برتا۔

علامہ اقبال کی شاعری میں شاعرانہ اندازِ بیان کے ساتھ فکر و فلسفہ کا ذخیرہ موجود ہے۔ اقبال کا مطالعہ اسلام اور تصوف نہایت وسیع ہے۔ ان کا خیال تھا کہ بعض صوفیانہ خیالات نے یہ تاثر پیدا کیا ہے کہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے وہ اس کی تقدیر ہے۔ اس کے عمل کا اس میں کوئی خاص سروکار نہیں۔ اقبال نے اسے رد کیا اور بتایا کہ انسان کو اس وقت تک خدا اپنے انعام و اکرام سے نہیں نوازتا جب تک وہ خود عمل کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ مثلاً

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اس تصور کو اقبال نے فلسفہ خودی کا نام دیا اور بتایا کہ انسان
کو چاہیے کہ وہ اپنی خودی کو اس طرح بلند کرے، نکھارے کہ خدا خود
اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

ان کا ماننا تھا کہ انسان فطری طور پر متعدد صلاحیتوں کا مالک ہے۔
وہ اسے پہچانے اور بروئے عمل لائے۔ خدا نے انسان کو اشرف المخلوقات
بنایا ہے لہٰذا وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر زندگی کو
عمدہ ترین مثال بنا کر پیش کرے۔

اقبال مسلمانوں میں پھیلی برائیوں سے دکھی تھے۔ انہوں نے مسلمانوں
کو اجتماعی طور پر ایک طرح حرکت و عمل کے راستے پر گامزن
کرنے کی کوشش کی اس سے ان کے قومی و ملی جذبے کا اندازہ
ہوتا ہے۔ انہوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں بھی پیغام دینے
کی کوشش کی ہے۔ ان کے کئی کلام قرآن کی ترجمانی
قرار دیے جا سکتے ہیں۔ اقبال نے یہاں پیغام عام کیا ہے۔

انہوں نے مشرقی تہذیب کو بھی اپنی شاعری کا سرمایہ بنایا ہے۔
انہوں نے مغرب کی مادی زندگی پر مشرق کی روحانی زندگی کو بہتر
جگہ ترجیح دی ہے۔ انہوں نے مشرق میں اخلاقی اقدار کی قدروں کے
فروغ اور مغرب میں مادیت اور خود غرضی کے بڑھتے رجحان کو نمایاں کیا
ہے۔ عقل اور عشق کے تصور میں فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عشق
اپنے مقصد کے لئے کوشش ہے جو مقصد کی حاصلیت کے رجحان سے
گزر جاتا ہے جبکہ عقل چالاکی اور ہوشیاری سے کام لیتی ہے۔

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم

اسی کی عکاسی کرتا ان کا ایک دوسرا مصرعہ اور شعر

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اقبال کا یہ ماننا تھا کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں جو ایک عشق کا
جذبہ تھا اس کے وہ کامیاب و کامران تھے۔ انہوں نے اپنی
مشہور نظم "مسجد قرطبہ" میں عقل اور عشق کے بارے میں

اپنے تصورات کو بڑی تفصیل سے واضح کیا ہے جیسا کہ وہ جلال اور جمال کی صفات کا بھی استعمال کرتے ہیں۔

علامہ اقبال نے مرد مومن اور مرد کامل کے تصور کے اظہار کے لیے عموماً ایک پرندہ شاہین کو علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔

شاہین اپنی خودداری اور بلندی کے لیے مشہور ہے۔ وہ بلند پرواز کرتا ہے اور کبھی دوسروں کا شکار نہیں کھاتا اور نہ کبھی سکون کی خاطر آشیانہ بناتا ہے۔ یہی خوبی وہ مرد مومن میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

~~ان کے~~ اقبال کے کلام میں سیاست بھی ہے اور ملک و قوم و ملت کا درد بھی۔ اس میں فکر و فلسفہ بھی ہے۔ ان کی شاعری سے نئی لفظیات کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔

اقبال نے نظمیں اور غزلیں دونوں لکھی ہیں۔ ان کی غزلیں ان کی نظموں کی تشریح معلوم ہوتی ہیں۔

Scanned with CamScanner